ایمان اور اسلام کے درجوں کی حقیقت

جماعت کو ٹولیوں میں تقسیم نہ کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / جنوری ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کی:

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۴﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

(النمل: ۴۳ تا ۴۵)

پھر فرمایا:

میں نے گزشتہ خطبے میں ایمان سے متعلق احباب جماعت کے سامنے مضمون رکھا تھا کہ بظاہر ایمان ایک ہی چیز کو کہتے ہیں لیکن درحقیقت ہر انسان میں ایمان مختلف درجے کا پایا جاتا ہے اور ایمان کے بے شمار مراتب اور درجات ہیں۔ جس طرح پانی ایک ہی چیز کا نام ہے لیکن چھوٹے برتن میں تھوڑا پانی آتا ہے بڑے برتن میں زیادہ پانی آتا ہے۔ مختلف شکلوں کے برتنوں میں پانی

مختلف شکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ پس ایمان کی کیفیت بنیادی طور پر چاہے ایک ہی ہو لیکن اس کی کمیّت میں فرق پڑتا چلا جاتا ہے اور یہ ایمان بڑھنے والی چیز ہے اور کم ہونے والی چیز بھی ہے۔ اس لئے ہمیشہ اس پر نگران رہنا پڑتا ہے حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ ایک دولتمند آدمی کا دولت کا تصور ایک انسان میں اور ہوگا اور دوسرے انسان میں اور ہوگا۔ ایک غریب انسان چند سو روپے ماہانہ کے اضافے کو بھی دولت سمجھ لیتا ہے اور ایک امیر انسان بعض دفعہ لاکھوں کے اضافے کو بھی دولت نہیں سمجھتا اس کی خواہش کروڑوں تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ پس ایمان کی بھی ایسی ہی کیفیت ہے۔ ہر انسان کا ایمان اس کی حیثیت کے مطابق ایک اہمیت اختیار کرتا ہے اور اس کا ایمان کا تصور اس کی اپنی حیثیت سے تعلق رکھتا ہے، اس کا ایک گہرا رشتہ ہے۔

''فکر ہر کس بقدر ہمت اوست''

ہر شخص کے تصور کی چھلانگ اس کی اپنی ہمت کے مطابق ہوا کرتی ہے لیکن یہ بہر حال ایک قطعی حقیقت ہے کہ ایمان کم بھی ہوتا ہے، بڑھتا بھی ہے اور قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ ہمیں مسلسل اس کی نگرانی کرنی چاہئے۔ یہی حال اسلام کا ہے اسلام اور ایمان اپنے بلند تر مقامات پر جا کر ایک ہی چیز ہو جاتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان فرق کرنا مشکل ہے لیکن آغاز میں دو الگ الگ راستے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض دفعہ آغاز میں اسلام اور ایمان کا بظاہر کوئی تعلق نہیں ہوتا یعنی بیک وقت دونوں موجود نہیں ہوتے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات:۱۵) بدو جو مدینے کے گرد بستے تھے انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ کہہ دے: لَّمْ تُؤْمِنُوْا تم ہرگز ایمان نہیں لائے۔ وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا ہاں تم بیشک یہ کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں ہم نے اطاعت کو قبول کر لیا ہے۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ حالانکہ ابھی تک ایمان نے تمہارے دل میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔ تو آغاز میں ایمان اور اسلام دو الگ الگ چیزیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن درحقیقت جب یہ دونوں ترقی کرتے ہیں تو بلند تر سطح پر پہنچ کر یہ دونوں ایک ہی چیز ہو جاتے ہیں اور اول المومنین اور اول المسلمین ایک ہی

انسان پر صادق آنے والی دوصفات ہیں اوران دونوں کے درمیان تفریق ممکن نہیں رہتی۔ ایمان بہرحال اولیت رکھتا ہے کیونکہ وہ اسلام جوایمان کے بغیر ہے وہ اس دنیا میں تو فائدہ دے سکتا ہے مگر دوسرے جہان میں فائدہ نہیں دے سکتا۔ وہ اسلام جوایمان کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے وہی دراصل حقیقی اسلام ہے، چاہے آغاز میں وہ کمزوراور معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

آج میں اسلام سے متعلق چند باتیں آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں ۔لفظ اسلام کا مطلب ہے: قبول کر لینا یا سپرد کر دینا اطاعت اختیار کر لینا۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے فرمایا: اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرہ :۱۳۲) کہ اے ابراہیم !اسلام لے آ۔ کہا میں تو اپنے رب پر اسلام لے آیا۔یعنی معاً بعد یہ فرمایا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کا جو مقام اسلام ہے اس میں بھی بڑے مراتب ہیں باوجود اس کے کہ حضرت اقدس ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے زمانے میں اسلام کے علمبردار تھے اور ایسے عظیم الشان اسلام کے علمبردار تھے کہ قیامت تک قرآن کریم کی رو سے آپ کے اسلام کو دنیا خراج تحسین پیش کرتی رہے گی۔اس زمانے میں بے مثل تھے اور بعد میں تمام مسلمانوں کے باپ بھی کہلائے ۔پس اس پہلو سے خدا تعالیٰ کا حضرت ابراہیمؑ کو مخاطب کر کے فرمانا اَسْلِمْ کوئی معنی رکھتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء میں بھی اسلام کی بلند تر حالتیں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں اور اسلام کا وہ آخری مقام جس کے بعد پھر اسلام کا کوئی مقام نہیں رہتا وہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسلام ہے۔اس پہلو سے تو گفتگو کا یہاں اس وقت موقع نہیں اور یہ بہت ہی وسیع مضمون ہے کہ انبیاء کے اسلام میں کیا فرق ہوتے ہیں اور کس طرح انبیاء کے اسلام ترقی کرتے ہیں اور کیوں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اسلام کے آخری زینے پر تھے۔

میں اس وقت عام نصیحت کے طور پر آپ کے سامنے کچھ باتیں رکھنا چاہتا ہوں یہ بتانے کے لئے کہ ہر وہ احمدی جو ایمان لے آیا اور اس کا اسلام لانا بہت ضروری ہے کیونکہ ایمان جیسا کہ میں پہلے خطبے میں بیان کر چکا ہوں، خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کے بھیجے ہوؤں پر یقین کو کہتے ہیں ۔ اور جتنا جتنا ایمان ترقی کرتا ہے اتنا ہی عرفان ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور ایمان اور عرفان کی ترقی کے ساتھ اطاعت میں نئے رنگ پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں یعنی اس کی روشنی میں پھر اسلام بھی ترقی کرتا

ہے۔ لیکن آغاز کے اسلام کے لئے غیر معمولی عرفان کی ضرورت نہیں ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی مثال پیش کرتے ہوئے مختلف مثالیں دیں، مختلف رنگ میں بیان فرمایا۔ کہیں فرمایا ایمان العجائز اختیار کرو یعنی بوڑھیوں والا ایمان اختیار کرو جس کے نتیجے میں دل میں سوال نہیں اٹھتے۔ ان کا ایمان اس قسم کا ایمان ہوتا ہے جو زلزلوں سے بچا رہتا ہے، ان کے اندر گہرا نصب ہوتا ہے۔ گویا وہ اسی طرح پیدا کی گئی ہیں اور ان کے ذہن میں اس کے متعلق کوئی سوال نہیں اٹھتے۔ اس کے نتیجے میں ان کو اطاعت بھی اسی درجے کی عطا ہوتی ہے اور ان کی اطاعت میں غیر معمولی پختگی پائی جاتی ہے۔ پس آپ نے اپنے گھروں میں، دیہات میں، شہروں میں ایسی بڑی بوڑھیاں ضرور دیکھی ہوں گی جن کا ایمان بہت راسخ ہوتا ہے اور ان کے اعمال بھی باقاعدہ معین رستوں پر اس طرح چلتے ہیں جیسے خود رو ہوں اور ان میں کسی جبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان رستوں پر چلنے کی ان کو ایسی عادت پڑ چکی ہوتی ہے کہ وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتیں ان کا نمازیں پڑھنا، ان کا تلاوت کرنا، ان کا درود شریف پڑھنا ان کا ذکر الٰہی کرنا ایک ایسے ایمان کے نتیجے میں ہوتا ہے جس کی تفاصیل سے وہ بے خبر ہیں۔ یعنی بظاہر فکر و نظر کی وہ طاقتیں ان میں موجود نہیں ہیں جس کے نتیجے میں صاحب ایمان کو مزید عرفان نصیب ہوتا ہے لیکن تقویت بڑی ہے بڑا راسخ عقیدہ ہے اور اتنا یقین ہے جس میں کوئی تزلزل نہیں آ سکتا۔ اسی نسبت سے ان کا اسلام بھی بہت ہی پختہ دکھائی دیتا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی رخنہ آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ پس عامۃ المسلمین کے لئے اس سے بہتر اور کوئی مثال نہیں دی جا سکتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو ایک اور رنگ میں بھی بیان فرمایا اور فرمایا کہ مجھے تو فلسفیوں کا ایمان، بودا ایمان پسند نہیں۔ میں تو بچوں کے ایمان کو اس پر ترجیح دیتا ہوں ایک طرف بوڑھوں کا ایمان بتایا تو دوسری طرف بچوں کا ایمان بتایا۔ ان دونوں میں ایک مماثلت پائی جاتی ہے ایک قدر مشترک پائی جاتی ہے۔ بچوں کا ایمان بھی کسی فکر و نظر کا نتیجہ نہیں ہوا کرتا بلکہ ان کے دل میں جو ایک بات بیٹھ جائے وہ بیٹھ جاتی ہے اور بڑی معصومیت کے ساتھ وہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی فکر و نظر سے عمل کے بغیر، سوچ کے بغیر جو ان کے دل میں ایک یقین بیٹھ جاتا ہے وہ اس یقین کے مطابق اپنی حرکات و سکنات کو ڈھالتے ہیں، اس کے مطابق وہ ایک رویہ اختیار کرتے

ہیں۔ایک بچے کو کسی بات کا خوف ہو، خواہ وہ خوف والی بات نہ بھی ہو۔ماں باپ بعض دفعہ لاکھ اس کو سمجھائیں کہ میاں کوئی ڈرنے کی بات نہیں ہے وہ اس کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ایک بچہ ہم نے دیکھا تھا جس کو جانوروں سے اتنا خوف تھا کہ جانوروں کے بنے ہوئے کھلونوں سے بھی ڈرتا تھا اور میں نے خود اس سے کئی دفعہ چھوٹی عمر میں کھلونوں کا خوف دور کرنے کی کوشش کی اس کو پیار سے پاس بلایا دیکھو میں اس کو ہاتھ لگا رہا ہوں یہ تمہیں کچھ نہیں کہتا لیکن اس کا خوف دور نہیں ہو رہا تھا۔تو اس کا عمل اس ایمان کے نتیجے میں تھا جو اس کے دل میں حاصل ہے اور وہ ایمان کسی سوچ کے نتیجے میں نہیں۔پس جہاں تک عوام الناس کا تعلق ہے، ان کے لئے محفوظ مقام یہی ہے کہ وہ ایسا ایمان اختیار کریں جس کے نتیجے میں ان کا عمل بھی اسی قسم کے پختہ سانچوں میں ڈھالا جائے اور اس پر کسی قسم کا زلزلہ نہ آسکے۔ وہاں ان کا عمل ان کے ایمان کی نشاندہی کرتا ہے۔پس عوام الناس میں اگر اعمال میں کمزوری ہو تو اس کا چونکہ اسلام سے تعلق ہے، اس سے صاف سمجھ جانا چاہئے کہ ان کے ایمان میں کمزوری ہے ورنہ یہ بات بالکل سادہ سی واضح اور ثابت ہو چکی ہے کہ اگر سادہ لوح انسانوں میں جو فکر ونظر کی بجائے بعض عقائد کے پیش نظر اپنی زندگی کے رستے اختیار کرتے ہیں۔ان میں اگر عقائد مضبوط ہوں تو ان کے رستے بھی بڑے واضح ہو جاتے ہیں ان رستوں پر وہ لازماً آگے بڑھتے ہیں۔پس وہ عوام الناس جو اپنے اعمال میں پختہ ہیں ان کے اعمال کے شیشے سے ہم ان کے ایمان کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں اور ہمیں صاف دکھائی دینے لگتا ہے کہ وہ پختہ ایمان والے لوگ ہیں۔مگر صاحب فکر ونظر میں یہ تناسب باقی نہیں رہا کرتا اور بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔اس لئے جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان کے لئے دو ہی بہترین مثالیں ہیں جن کی پیروی کرنی چاہئے ایک بوڑھوں کا ایمان اور ایک بچوں کا ایمان لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایمان کی روشنی جب فکر ونظر پر عمل کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں عرفان پیدا ہوتا ہے اور عرفان کے نتیجے میں پھر ایک اسلام پیدا ہوتا ہے اور وہ اسلام عام بوڑھے اور عام بچے کے اسلام سے بہت زیادہ پختہ ہوتا ہے کیونکہ وہاں اس کو یقین کی روشنی نصیب ہو چکی ہوتی ہے۔محض عقیدے کی وجہ سے یا ایک اندھے عقیدے کی وجہ سے وہ ایک عمل نہیں کر رہا ہوتا بلکہ یقین کی روشنی میں ایک عمل کرتا ہے۔

یہ مضمون بیان کرنے کے لئے میں نے اس آیت کا انتخاب کیا تھا جو میں نے آپ کے

سامنے تلاوت کی مگر اس پر آنے سے پہلے میں ایک اور وضاحت آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں ۔ جب آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں بار بار یہ نصیحت پڑھتے ہیں کہ تم سوال اٹھائے بغیر پیروی کرو جو کچھ کہا جاتا ہے وہی اختیار کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی اطاعت کرو اور آپؐ کے دین پر اس طرح چلو کہ کوئی سوال نہ اُٹھاؤ بلکہ جس طرح اندھی تقلید کی جاتی ہے اس طرح تقلید کرتے چلے جاؤ اسی میں تم محفوظ ہو۔ تو اس پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ پھر یہ کیسا مذہب ہے جو اندھی تقلید کے سہارے زندہ رہتا ہے اور صاحب فکر ونظر کے لئے کوئی سوال کی گنجائش نہیں چھوڑتا اور اگر یہ مذہب یہی کچھ ہے کہ تم نے اندھی تقلید کرنی ہے اور کوئی سوال نہیں اٹھانا تو اہل نظر کا ایسے مذہب سے ایمان اٹھ جاتا ہے۔ پھر کیوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات پر اتنا زور دیا ہے۔ یہ سمجھانے کے لئے میں ایک اور پہلو آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ **وہ مذاہب جو حقائق پر مبنی ہوں، جو روشنی سے پیدا ہوئے ہوں ان میں حقیقت یہ ہے کہ اندھی تقلید اور صاحب فکر کی تقلید میں فرق کوئی نہیں کر رہا بلکہ اہل فکر ونظر کی تقلید اگر کوئی فرق رکھتی ہے تو اندھی تقلید سے زیادہ پختہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ مذاہب جن کے عامۃ الناس کا مذہب بھی پختہ ہو اور ان کے اہل فکر ونظر کا مذہب بھی پختہ ہو ان پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوا کرتا کہ تم نے اندھی تقلید سکھا کر ہمیں خدا جانے کیا کچھ دے دیا ہے۔** اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ سچ ہے یا جھوٹ ہے تم نے تو ہمیں اندھی تقلید کی عادت سکھائی اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس بات میں کوئی روشنی ہے بھی کہ نہیں ۔ یہ سوال تب اٹھتا، اگر ایسی قوم کے صاحب فکر ونظر مذہب سے دور ہٹنے شروع ہو جاتے اور دونوں طبقوں کے درمیان ایک خلا بڑھتا چلا جاتا اور فاصلے زیادہ ہوتے چلے جاتے ۔ لیکن وہ قوم جس میں دانشور اور اعلیٰ درجہ کے صاحب فکر ونظر لوگ اپنے مذہب میں کمزور ہونے کی بجائے زیادہ پختہ ہو جائیں۔ ان کے عوام الناس کے مذہب پر وہ گواہ بن جاتے ہیں اور ان کی صداقت پر شہید ہو جاتے ہیں اور دنیا پر یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ مذہب جس میں ایک بڑا طبقہ اندھی تقلید کر رہا ہے اپنی ذات میں سچا ہے کیونکہ ان کے صاحب فکر ونظر اور اہل دانش نے بھی اس تقلید میں اعلیٰ نمونے پیش کئے بلکہ اپنے جاہلوں سے بڑھ کر نمونے پیش کئے ۔

پس عرفان کا بھی ایک مقام ہے جو مذہب میں ایک بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ دیندار

لوگوں کے دو قسم کے طبقات ہیں ایک وہ جو سادہ لوح، عام فہم لوگ، ان کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہی نصیحت ضروری ہے کہ تم چونکہ اہلیت نہیں رکھتے کہ باریک سوالوں پر غور کر سکو۔ اس لئے تم اپنے راہنماؤں کے پیچھے چلنا سیکھو اور جو تمہیں بتایا جاتا ہے اس پر یقین کے ساتھ قدم مارو اسی میں تمہاری بہبود ہے اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو عرفان رکھتا ہے وہ بات سمجھتا ہے گہرائی تک اترتا ہے اور محض علم کے پیچھے نہیں چلتا بلکہ علم کے اندر جو فلسفہ پنہاں ہوتا ہے جو حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر نظر رکھتے ہوئے اس کے علم کو مزید طاقت ملتی چلی جاتی ہے۔ ایسا طبقہ صاحب عرفان لوگوں کا طبقہ ہے اور ہر سچے مذہب میں ان دونوں طبقات کا ہونا ضروری ہے ورنہ اگر اہل فکر و نظر مذہب سے دور ہٹنے لگ جائیں تو یقین جانیں کہ اس مذہب میں کوئی کمزوری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات جب باہر کے دانشور مجھے ملتے ہیں تو میں احمدیت کی یہ مثال ان کے سامنے رکھا کرتا ہوں کہ احمدیت کی سچائی کو دیکھنے کے لئے آپ جیسا دانشور اس بات پر ضرور نظر رکھے کہ احمدیت میں جو جہلاء ہیں عوام الناس ہیں ان کا ایمان ان سے زیادہ مضبوط نہیں جو صاحب فکر و نظر ہیں بلکہ حقیقت میں اہل فکر و نظر کا ایمان زیادہ مضبوط اور زیادہ پختہ ہے اور اس پہلو سے ان دونوں طبقات میں آپ کوئی تفریق نہیں دیکھیں گے کوئی فاصلے نہیں دیکھیں گے۔

ایک احمدی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام ہیں جو Physists سائنس دانوں کی دنیا میں ایک بہت عظیم الشان مقام رکھتے ہیں اور تمام دنیا میں ان کے علم کا لوہا مانا گیا ہے۔ وہ اتنے ہی مخلص احمدی ہیں جتنا ایک اَن پڑھ مزدور احمدی اور اسی طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح اگر ان کا چپڑاسی احمدی ہو تو وہ اطاعت کرے گا۔ تو جو اسلام ان دونوں کے اندر پیدا ہوا ایک اسلام بظاہر اندھے ایمان کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، دوسرا اسلام ایک عارف باللہ کا اسلام ہے جو صاحب دانش ہے، صاحب علم ہے, صاحب عرفان ہے ان دونوں کے اسلام میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔ اگر کوئی فرق ہوگا تو یہ کہ زلازل میں بعض دفعہ اندھے ایمان والا ٹھوکر کھا جایا کرتا ہے لیکن صاحب عرفان ٹھوکر نہیں کھایا کرتا یہ ایک الگ مضمون ہے جس کے بیان کرنے کی یہاں فی الحال گنجائش نہیں۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب تھے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو، بے شمار رحمتیں ان پر نازل فرمائے۔ دنیا کے کتنے بلند مقامات تک پہنچے لیکن ان کے اسلام کی کیفیت یہ تھی کہ بہت سے

اندھے ایمان والوں کے اسلام کے لئے بھی وہ ایک عظیم نمونہ تھے۔ حیرت انگیز اطاعت کا جذبہ ان کے اندر پایا جاتا تھا۔ ایک آواز پر اٹھنا ایک آواز پر بیٹھنا کوئی ان سے سیکھتا۔ اطاعت امیر ایسی تھی کہ نظروں کو چندھیا دینے والی تھی۔ اپنے اسلام کے عمل میں ایسے سادہ تھے کہ ایمان عجائز کا اسلام معلوم ہوتا تھا یعنی ایمان عجائز کے نتیجہ میں اسلام پیدا ہوتا ہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ علم وعرفان میں وہ بڑے بڑے مدمقابل کے منہ بند کرنے والے تھے۔ یونائیٹڈ نیشنز کی سطح پر ان کو تقاریر کا موقعہ ملا، مختلف عدالتوں میں وہ پیش ہوئے مختلف عدالتوں کے وہ چیف جسٹس بنے، ہندوستان کی سپریم کورٹ کے ممبر ہوئے۔ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں وہ پریزیڈنٹ بھی رہے غالباً لیکن ممبر تو بہرحال ضرور تھے۔ اتنے عظیم مقامات اتنے بڑے مقامات نصیب ہوئے لیکن وہ سب لوگ جنہوں انہیں قریب سے دیکھا ہے اور انگلستان کی جماعت اس پر گواہ ہے کہ کیسی ان میں اطاعت کی روح تھی۔

پس جماعت احمدیہ اپنی ذات میں اسلام کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہے اور جماعت احمدیہ کا ایمان دوسروں کے لئے ایمان بخش بن جاتا ہے اگر صاحب دانش باریک نظر سے جماعت احمدیہ کے مختلف طبقات پر نظر رکھے اور ان کا موازنہ کرے تو یہ بات اس کو معلوم ہو جائے گی کہ یہ ایسے ایمان پر قائم ہیں جہاں علم کی روشنی ایمان کو کم نہیں کرتی بلکہ زیادہ کر کے دکھاتی ہے اور اندھے ایمان اور دانشور کے ایمان میں تفریق نہیں پیدا کرتی یعنی اگر تفریق ہے تو صرف ان معنوں میں کہ دانشور کا ایمان اندھے ایمان والے کے ایمان سے زیادہ ہے، زیادہ پختہ، زیادہ واضح اور اسی نسبت سے اس کا عمل بھی بہت زیادہ قوی اور قطعی ہوا کرتا ہے۔ ان کے درمیان ایک طبقہ پیدا ہوتا ہے جو جہالت اور علم کے جھٹپٹے میں زندگی گزارتا ہے۔ اس پر دن کی روشنی پوری طرح واضح نہیں ہوا کرتی دماغ تیز ہو جاتا ہے لیکن دین کا سچا علم اور ایمان کمزور ہوتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے ایمان سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پناہ مانگی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فلسفی کے بودے ایمان سے مجھے بچے کا ایمان زیادہ پیارا لگتا ہے۔ پس احمدیت میں بھی ہمیں بعض ایسے طبقے دکھائی دیتے ہیں جو اپنی دانست میں دانشور بنتے ہیں لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے احمدیت کے حقیقی دانشور گواہ بن جاتے ہیں کہ یہ دانشور نہیں یہ انہی جھٹپٹے میں زندگی بسر کرنے والے لوگ ہیں جو نہ دن کے بندے ہیں، نہ رات کے بندے ہیں، درمیان کی کیفیت میں پائے جاتے ہیں۔ تھوڑی بہت سمجھ آ گئی تھوڑا بہت

شعور پیدا ہو گیا اور اس کے نتیجے میں پھر وہ بڑی بڑی تنقیحات کرنے لگ جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم فلسفے کے اعلیٰ آسمان پر اڑنے والے لوگ ہیں۔

پس ایمان حقیقت میں دو ہی ایمان ہیں ایک وہ جو سادگی کا ایمان ہے اور اس کے نتیجے میں سادہ اسلام انسان کو نصیب ہو۔ ایک وہ جو عارف باللہ کا ایمان ہے اور عارف باللہ کے ایمان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا خدا سے تعلق ہو یہ فرق یاد رکھیں ورنہ فلسفہ بذات خود عارف باللہ کا ایمان پیدا نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خشک فلسفیوں کے ایمان سے پناہ مانگی ہے تو یہ مراد ہے کہ ایسا دماغ جو بظاہر روشن ہو چکا ہو لیکن خدا سے اس صاحب دماغ کا قلبی تعلق پیدا نہ ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ایسا عرفان نصیب نہ ہو جیسے ایک دوست کا عرفان ایک دوست کو ہوتا ہے وہ شخص ہمیشہ مقام خطر میں رہے گا اور اس کے لئے ٹھوکر کھانے کے امکانات زیادہ ہیں بہ نسبت اس کے کہ وہ مستحکم قدموں سے ایک رستے پر آگے چلے۔

پس یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ ایمان نصیب کرے جو یا بوڑھوں اور بچوں کا ایمان ہو جس کے نتیجے میں ایک سادہ اسلام پیدا ہو، وہ اطاعت کرنی جانتا ہو، سوال اٹھانے نہ جانتا ہو یا پھر ایسا دماغ نصیب کرے جو بہت ذہین ہو بہت فطین ہو، بہت باریک بین ہو لیکن اس کی جڑیں ایسے دل میں پیوستہ ہوں جو دل خدا کا ہو چکا ہو جس دل کی آنکھ خدا کو دیکھ رہی ہو۔ پس وہ دماغ جو خدا رسیدہ دل سے روشنی پاتا ہے وہی دماغ ہے جو دراصل حقیقت میں ایک روشن دماغ ہے، روشن کہلانے کا مستحق ہے۔ ایسے دماغ کو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کی جو یہ صفت بیان فرمائی: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعہ: ۳) اس میں آپ کے دونوں پہلو روشن فرما دیئے آپ نے ایک ایسی قوم پیدا کی جس کو آپؐ نے کتاب سکھائی اور اس قوم میں سے پھر وہ بھی پیدا ہوئے جن کو آپؐ نے حکمت بھی سکھائی۔ ہر وہ شخص جو آپ پر ایمان لایا تھا وہ صاحب حکمت نہیں بن سکا۔ بہت سے مرد بھی اور عورتیں بھی بوڑھے بھی اور بچے بھی ان میں سے ایسے تھے جو آپ کو دیکھ کر آپؐ کے نور صداقت کو پہچان گئے تھے اور اس کے بعد علمی لحاظ سے انہوں نے زیادہ ترقی نہیں کی کیونکہ وہ علمی صلاحیتیں نہیں رکھتے تھے۔ لیکن بہت عظیم الشان اور چمکتا ہوا درخشندہ ایمان ان کو نصیب

ہوا اور اسی قسم کا اسلام بھی ان کو عطا ہوا جس کے نتیجے میں ان کے اعمال سنوارے گئے۔ لیکن ایک بہت بڑا طبقہ ایسا بھی تھا جس کو آپؐ نے حکمتیں بھی عطا کیں اور صاحب عرفان بھی بنا دیا۔ اس پہلو سے تمام انبیاء صرف کتاب سکھانے پر انحصار نہیں فرماتے بلکہ علم کے بعد عرفان بھی عطا کرتے ہیں، کتاب کے بعد حکمتیں بھی سمجھاتے ہیں تا کہ ہر طبقہ جوان پر ایمان لاتا ہے وہ اپنی اپنی توفیق اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق فیض پا سکے۔ کوئی دانشور یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ نبی تو اندھوں اور جاہلوں کا نبی تھا۔ اس نے محض کتاب سکھا دی اور ہمارے جیسے روشن دماغوں کے لئے سیرابی کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ ان کے دماغ اس درجہ سیراب کئے جاتے ہیں کہ اس سے زیادہ ان کو پانی اپنے اندر سمونے کی توفیق نہیں رہتی اور نبی کا علم اور نبی کا عرفان ان پر پھر بھی حاوی رہتا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو آپ کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں بالتفصیل ملے گا۔ پس جہاں آپ نے اندھے ایمان پر زور دیا ہے اس کا یہ مفہوم ہے ان معنوں میں آپ زور دیتے ہیں بعض طبقے ایسے ہیں جن کے لئے سوالوں کی گنجائش نہیں ہوتی، سوالوں کی ان کو ذہنی طور پر استطاعت نہیں ہوتی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان کا ایمان پختہ چٹانوں پر نصب ہو جو بظاہر منجمد نظر آئیں، حرکت نہ کر سکیں لیکن مستحکم ضرور ہوں۔ کچھ طبقات ایسے ہیں جاری و ساری ایمان والے لوگ ہیں ان کا ایمان بہتے پانیوں کی طرح مختلف رستوں سے گزرتا ہے، مختلف کیفیتوں میں سے گزرتا ہے، مختلف مناظر دیکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں ان پانیوں میں ان تمام مناظر کی عکاسی ہوتی چلی جاتی ہے۔ کچھ نہ کچھ وہ ایک منظر سے لیتے ہیں، کچھ نہ کچھ دوسرے منظر سے لیتے ہیں، کچھ ایک زمین سے نمک اٹھاتے ہیں کچھ دوسری زمین سے نمک اٹھاتے ہیں۔ غرضیکہ وہ پانی زیادہ گہرا اور خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ جتنے بھی مادیات ہیں ان سے زیادہ وہ Rich ہوتا چلا جاتا ہے (Rich کا چونکہ اردو لفظ ذہن میں نہیں آ رہا تھا اس لئے میں اٹکا۔) یہاں امیر کا لفظ اطلاق نہیں پاتا یوں کہنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ جتنی بھی نعمتیں زمین میں موجود ہیں جتنے بھی مادے زمین میں موجود ہیں ان سے وہ زیادہ متمتع ہوتا چلا جاتا ہے۔ زیادہ استفادہ کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پانی جو پہاڑ کی چوٹی سے چلتا ہے جب وہ سمندر میں گرنے کے قریب ہوتا ہے وہ پہلے پانی کی نسبت بہت زیادہ فائدہ دینے کی قوت رکھتا ہے اور وہ پانی جس زمین پر پھر جاتا ہے اس زمین کو زرخیز بنا دیتا ہے۔

پس ایمان کی کیفیت بھی بعض لوگوں میں بہتے پانیوں کی سی ہے اور وہ بہتا پانی زیادہ ترقی اختیار کرتا چلا جاتا ہے اور یہ ترقی اس کو عرفان کے ذریعے نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ صفت اپنے درجہ کمال میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو نصیب ہوئی کہ آپؐ نے علم اور کتاب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بہت گہرا عرفان بھی بخشا اور کتاب اور علم کی حکمتیں بھی لوگوں کو سکھائیں مگر ہر نبی ایسا ہی کرتا ہے اپنے اپنے مراتب کے مطابق اپنی اپنی توفیق کے مطابق یہ انبیاء کا کام ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے متعلق جو صاحب حکمت مشہور تھے قرآن کریم نے ان کے ساتھ ملکہ سبا، جس کا نام بلقیس بیان کیا جاتا ہے اس کی ملاقات کا جو واقعہ بیان فرمایا اس میں سے یہ تین آیات میں نے آج کے خطبے کے لئے چنی تھیں۔ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ جب وہ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضرت سلیمانؑ نے اس کے تخت جیسا ایک تخت اس کو دکھایا اور اس سے پوچھا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ بعینہ وہی گویا بالکل وہی ہے کوئی فرق مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ہمیں اس سے پہلے علم عطا کر دیا گیا ہے۔ یعنی میں جو آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں تو علم پانے کے بعد حاضر ہوئی ہوں، کہ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ اور میں اور میری قوم اسلام اختیا کر چکے ہیں۔

اب دیکھئے کسی علم کی بناء پر ملکہ سبا نے اسلام اختیار کیا اور حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں اپنے اس اسلام کا اظہار کیا لیکن حضرت سلیمانؑ جانتے تھے کہ یہ اسلام ایک ابتدائی کیفیت کا نام ہے۔ یہ پورے معنوں میں اسلام کا مضمون سمجھتی نہیں۔ یہ سمجھتی ہے کہ ظاہری اطاعت اختیار کر لینا ہی اسلام ہے۔ پس جسے وہ علم قرار دے رہی ہے جسے وہ اسلام قرار دے رہی ہے یہ اس کے لئے کافی نہیں۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ اس نے کہا ہم اسلام قبول کر چکے ہیں آپ نے اس کو اسلام سکھانا شروع کر دیا۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ آپ نے اس کو اس چیز سے روکا جس کی وہ پہلے عبادت کیا کرتی تھی اگر پہلے عبادت کیا کرتی تھی اور اس سے رک گئی تھی تو دوبارہ کیوں روکا؟ مراد یہ ہے کہ آپ جانتے تھے کہ حکمتیں سمجھانا ضروری ہے اس کو بتانا ضروری ہے کہ کیوں غیر اللہ کی عبادت ایک جاہلانہ حرکت ہے ایک ہلاک کرنے والا فعل ہے۔ اس

لئے آپ نے عبادت کے ان رستوں کے متعلق ایک مضمون بیان فرمایا اور صَدَّهَا کا مضمون یہ بیان کرتا ہے کہ اس رنگ میں اس کو روکا کہ اس کا دل واقعۃً رک گیا۔ اس کو اس قسم کی عبادت سے دلی نفرت پیدا ہوگئی۔ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ وہ پہلے کافرین کی قوم میں سے تھی باوجود اس کے کہ قرآن تسلیم کر رہا ہے کہ اس وقت وہ کافر نہیں تھی مسلمان ہو کر آئی تھی لیکن چونکہ پہلے کافروں میں سے تھی اس لئے اس کے کفر کے زنگ مٹانے ضروری تھے اور اسلام لانے کے باوجود اسے اسلام کا حقیقی مفہوم سمجھانا ضروری تھا۔ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ اس سے پھر یہ کہا گیا کہ اس خوبصورت اور بلند محل میں داخل ہو جا۔ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اس نے اسے پانی کا ایک تالاب سمجھا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اس طرح اُٹھالیا جیسے پانی میں داخل ہوتے ہوئے عام طور پر لوگ کپڑا اٹھا لیتے ہیں کہ بھیگ نہ جائے۔ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ تب حضرت سلیمانؑ نے اس سے یہ فرمایا کہ ایک محل ہے۔ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ جو بڑی نفاست کے ساتھ شیشوں کے ٹکڑوں سے بنایا گیا ہے اور بہت ملائم کر دیا گیا ہے۔ مُّمَرَّدٌ کا مطلب ہے جسے نفاست سے برابر چنا گیا ہو کہ اس کے درمیان خلا دکھائی نہ دیں یعنی ٹکڑوں کے درمیان اگر ایسی برابری ہو جائے کہ گویا ایک ہی سطح دکھائی دینے لگے اور ملائمت اس میں پیدا ہو جائے تو اس کو مُّمَرَّدٌ کہتے ہیں۔ یہ شیشوں کے ٹکڑے سے اس طرح بنایا گیا ہے کہ بالکل برابر کر دئے گئے ہیں۔ کوئی جوڑ دکھائی نہیں دیتا اور بہت ہی چمکا دئے گئے ہیں۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ تب اس نے کہا کہ اے میرے رب! میں نے تو اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے۔ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں سلیمان کے ساتھ ایمان لاتی ہوں اس اللہ پر جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

یہ وہ اسلام ہے جو حقیقی اسلام تھا جو حضرت سلیمانؑ کے سمجھانے کے بعد اس کو نصیب ہوا۔ پس دیکھیں کتنا فرق پڑ جاتا ہے اسلام میں ایک اسلام وہ ہے جو ظاہری علم کی بنا پر کسی کو نصیب ہوا یہاں تک کہ اس ملکہ نے اپنی قوم کو بھی ساتھ شامل کر لیا مگر صاحب حکمت نبی نے پہچان لیا کہ اس اسلام کی کوئی قیمت نہیں ہے جب تک اس کی گہرائی میں اس کو نہ اتارا جائے جب تک اس کی حکمتیں نہ بیان کی جائیں۔ جب اس نے حکمتیں بیان کیں تو اپنا پہلا اسلام اس کو اندھیرا دکھائی دینے لگا۔

اس نے کہا! اوہو، ہو میں کس کو اسلام سمجھا کرتی تھی اس کی تو کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ اسلام ہے جو سلیمانؑ کا اسلام ہے مَعَ سُلَيْمٰنَ سے مراد یہ ہے کہ مجھے سلیمان کی روحانی معیت نصیب ہو۔ اے رب! میں وہ اسلام چاہتی ہوں جو سلیمانؑ کو عطا ہوا ہے۔

اب وہ شیشوں کے ٹکڑوں پر چلانے میں جو ایک پیغام ہے وہ کیا ہے؟ بعض علماء بدقسمتی سے پرانے قصوں اور کہانیوں کو پڑھ کر ایک ایسا لغو تصور پیش کرتے ہیں کہ عقل ماتم کرنے لگ جاتی ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار احسانات میں سے یہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے جماعت کو قرآن کریم کا عرفان بخشا ہے اور قرآن کریم پر غور کرنے کا طریق عطا فرمایا ہے ورنہ آپ پرانی تفاسیر کو اٹھا کر دیکھیں وہاں عجیب وغریب لغو قصے آپ کو دکھائی دیں گے۔ بعض مفسرین نے تو لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس کی پنڈلیاں دیکھنا چاہتے تھے اور وجہ کیا تھی کہ لوگوں نے مشہور کیا ہوا تھا اس کی پنڈلیوں پر بڑے بال ہیں اور آپ دیکھنا چاہتے تھے کہ واقعی بال ہیں کہ نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اللہ تعالیٰ کا وہ نبی جو صاحب حکمت انبیاء میں ایک خاص مقام اور درجہ رکھتا ہے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک شیشے کا محل بنوایا بہت چمکدار اس کا فرش پانی کے اوپر بنایا تا کہ اس کو دھوکہ لگے کہ پانی ہے اور پھر اس نے اپنا کپڑا اٹھا دیا اور اس نے پنڈلیاں دیکھ لیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس قسم کی تفاسیر ہیں جو عامۃ المسلمین کو روشنیاں دے رہی ہیں یعنی قرآن کریم کی روشنی کے درمیان میں حائل ہوگئی ہیں اور قرآن کی روشنی وہ نہیں پاتے بلکہ وہ شخص جو بیچ میں حائل ہے اس کے ذہن کے صرف اندھیرے دیکھ رہے ہیں۔ ایک اور مضمون یہ بیان کیا گیا تفسیر میں کہ حضرت سلیمانؑ کو بتایا گیا تھا کہ یہ ڈائن ہے اور ڈائن کے متعلق مشہور تھا کہ اس کے پاؤں الٹے ہوتے ہیں یعنی ٹخنے آگے اور پنجے پیچھے کی طرف۔ تو حضرت سلیمانؑ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ حقیقت میں ڈائن ہے کہ نہیں جب اس نے کپڑا اٹھایا اپنی پنڈلیوں سے تو پورا پاؤں نظر آ گیا کہ وہ سیدھا سادا پاؤں ہے تو پھر آپ نے اس خیال سے توبہ کر لی۔ حالانکہ توبہ کرنے کی خاطر نہیں تھا۔ توبہ کروانے کی خاطر یہ سارا قصہ بنایا گیا ہے حضرت سلیمانؑ تو اس کی توبہ کروانا چاہتے تھے نہ کہ اپنے خیالات سے توبہ کرنے کی خاطر آپ نے یہ سارا قصہ شروع کیا۔ اتنا بڑا ایک جھگڑا شروع کر دیا کہ ایک محل بنائیں اس کے شیشے کے فرش ہوں نیچے پانی بہتا ہو۔ اتنی معمولی عقل کی بات بعض نیک لوگ

ہونے کے باوجود نہیں سمجھ سکے مگر افسوس یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب روشنی عطا کی تو اب علماء اس روشنی کو لینے سے انکار کر رہے ہیں اور اس طرف پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے ہیں اور ان اندھیروں کو قبول کر رہے ہیں جو نعوذ باللہ من ذلک قرآن کریم کی طرف منسوب کئے جا رہے ہیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ پانی اور شیشے کا جو تعلق ہے اگر شیشہ کثیف ہو تو شیشہ دکھائی دے گا پانی دکھائی نہیں دے گا۔ اگر شیشہ شفاف ہو تو پانی ہی دکھائی دے گا اور بعض دفعہ لوگ دھوکے سے شیشے ہی کو پانی سمجھ لیتے ہیں یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ پس خدا سے تعلق میں دو طرح کے مضامین ممکن ہیں۔ بعض دفعہ خدا والے لوگ بنتے ہیں لیکن وہ اپنے وجود کو دکھاتے ہیں اور خدا کے وجود کو نہیں دکھاتے وہ بھی شرک پیدا کر دیتے ہیں۔ اور بعض دفعہ لوگ خدا والوں کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ گویا وہ خدا ہیں حالانکہ وہ خدا نہیں ہوا کرتے۔ انہوں نے تو اپنا نفس مٹا دیا ہوتا ہے اور ایسے شفاف بن جاتے ہیں کہ ان کے پار خدا دکھائی دیتا ہے۔

پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا کہ تو خدا تو نہیں تھا۔ مگر تیری ذات میں ہم نے خدا کو دیکھا ہے یہی وہ مضمون ہے جو حضرت سلیمانؑ ملکہ سبا پر روشن فرمانا چاہتے تھے آپ اس کو سمجھانا چاہتے تھے کہ تم پہلے ایک قسم کے دھوکے میں مبتلا رہی ہو اب خطرہ ہے کہ دوسرے قسم کے دھوکے میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ پہلے تم نے کثیف انسانوں کو یا بتوں کو خدا سمجھ لیا حالانکہ وہ خدا کی روشنی کو تم تک پہنچنے ہی نہیں دے رہے تھے۔ وہ خدا اور تمہارے درمیان حائل وجود تھے ان کو خدا سمجھنا ایک کھلا کھلا شرک تھا اور جہالت تھی۔ اب تم ایک ایسے شخص کے دربار میں آئی ہو جس نے اپنے وجود کو کلیۃً مٹا دیا ہے اور اس کی ذات میں تمہیں خدا دکھائی دے رہا ہے لیکن وہ خدا نہیں ہے وہ خدا کا ایک عاجز بندہ ہے جس نے اپنے نفس کو کلیۃً مٹا دیا ہے۔ پس جس طرح تم شیشے کو دیکھ کر دھوکہ کھا گئیں اور اپنی پنڈلیوں سے اپنا کپڑا اٹھا لیا، اس طرح یاد رکھو کہ میرے وجود میں تمہیں جو الٰہی صفات دکھائی دیں گی، وہ میری نہیں ہیں وہ خدا کی ہیں اور میں خدا نہیں ہوں بلکہ خدا نما ہوں۔ وہ بہت ہی ذہین عورت تھی جس نے اس مفہوم کو پوری طرح سمجھ لیا اور اچانک اس پر یہ بات روشن ہو گئی کہ میں کس اسلام کو لئے پھرتی تھی۔ میں کیا کہہ رہی تھی کہ

میں اسلام لے آئی ہوں اس کے دل میں شدید شرمندگی پیدا ہوئی ہے اور شدید کسر نفسی پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ بے اختیار وہ بولی۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ اے میرے اللہ! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے جو یہ دعویٰ کر بیٹھی تھی کہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے تو اسلام کا پتا ہی کچھ نہیں تھا اب پتا لگا ہے کہ جب سلیمانؑ کے دربار میں حاضر ہوئی ہوں اور فوراً عرض کیا اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ اب میں اسلام لائی ہوں جو سلیمانؑ کے ساتھ کا اسلام ہے جس میں شرک کی کوئی ملونی نہیں ہے۔

پس جماعت احمدیہ کو ایسا ہی اسلام اختیار کرنا ہے۔ ایمان عجائز رکھنے والوں کا اسلام بھی صاف اور شفاف ہے اس میں شرک کی کوئی ملونی نہیں ہوتی دوسرا ایمان اور اسلام ان لوگوں کا ہے جو صاحب عرفان ہوں اور ان کو حضرت سلیمانؑ کی اس تمثیل سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے اور خدا والوں کو اس طرح دیکھنا چاہئے کہ وہ خدا نہیں بلکہ خدا نما ہے اور ان کا خدا نما ہونا اپنے نفس کو مٹانے کے نتیجے میں ہے نہ کہ ابھارنے کے نتیجے میں، جو اپنے نفس کو عظمت دیا کرتے ہیں وہ کبھی خدا نما نہیں ہو سکتے۔

پس ان معنوں میں جماعت احمدیہ کو اسلام قبول کرنا ہے اور اسلام سکھانا ہے۔ ان دو باتوں کے درمیان بے شمار مراحل ہیں بے شمار مراتب ہیں مجھے افسوس ہے کہ بعض دفعہ جماعتوں میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں تو وہ اسلام کی اسی حقیقت کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں بہت سی جگہ جھگڑے چل پڑتے ہیں امراء کے خلاف باتیں شروع ہو جاتی ہیں، ٹولیاں بن جاتی ہیں۔ مجھے بعض دفعہ باہر سے نمائندے بھیجنے پڑتے ہیں جو تحقیق کر کے صورت حال کو میرے سامنے کھول کر رکھیں۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے واقعات بہت شاذ ہیں اور ایک سال بھر میں ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ تین دفعہ جہاں تک مجھے یاد ہے مجھے اس قسم کی تحقیق کروانی پڑی ہے اور بعض سالوں میں نہیں بھی کروانی پڑتی لیکن جماعت میں کسی ایک جگہ بھی کسی قسم کا رخنہ نہیں ہونا چاہئے۔ **جو لوگ معرفت نہیں رکھتے ان کو اطاعت اختیار کرنی چاہئے۔ ورنہ ان کا جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے جو صاحب عرفان ہیں وہ دانشور نہیں بلکہ وہ دانشور صاحب عرفان ہیں جن کا دل خدا میں اٹکا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے پیار کا تعلق رکھتے ہیں۔** ایسے لوگ اسلام سے دور نہیں جاتے بلکہ اسلام میں پہلے سے زیادہ بڑھ کر عمل کرنے والے بن جاتے ہیں۔ پس ان دانشوروں کے ہاتھوں میں نہ

جائیں جو اپنی جہالت کو روشنی سمجھ رہے ہوتے ہیں جن کا دل خدا سے تعلق نہیں رکھتا اور دماغ میں بظاہر روشنی کی ایک جلا پاتے ہیں، یہ محض بہکانے والے لوگ ہیں اور ان سے آپ کو کبھی کچھ نصیب نہیں ہوگا۔ ان لوگوں سے تعلق جوڑیں جن کے دماغ کی روشنی ان کو اور زیادہ خدا تعالیٰ کا مطیع کرتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (الفاطر:۲۹) کہ بعض عالم تو ایسے بھی ہوتے ہیں جو دین سے دور ہٹ جاتے ہیں لیکن سچے عالم وہ ہیں جو اپنے علم کی وجہ سے سب سے زیادہ خدا سے ڈرتے ہیں بلکہ حقیقی طور پر ڈرنے والے علماء ہی ہوا کرتے ہیں۔ پس وہ کیسا دانشور ہے جو خوف خدا سے دور ہٹتا چلا جاتا ہے۔ وہ فلسفی ہے جس کے فلسفے سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی نصیحت فرمائی ہے ان لوگوں سے جو اس قسم کا خشک فلسفہ رکھتے ہیں۔ بعض دفعہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک جماعت میں جب فتنے شروع ہوتے ہیں تو اس طرح ہوتے ہیں کہ بعض عہدیداروں سے کسی کو پرخاش ہو جاتی ہے۔

بعض دفعہ اور کوئی وجہ نہیں تو Clash of Personality ہوتی ہے یعنی شخصیتوں کا ایک بُعد ہے ایک آدمی پسند ہی نہیں آتا وہ جو چاہے کرے بعض لوگوں کو بس وہ ذات پسند نہیں آتی۔ وہ جس طرح جراثیم انتظار کر رہے ہوتے ہیں کہ بیماری کسی عضو کے اوپر پڑے تو وہ اس کے ساتھ تعلق باندھ لیں، اس طرح وہ بظاہر خاموش بیٹھے رہتے ہیں ان کا منافقین میں شمار نہیں ہوتا لیکن جہاں کسی شخص کو ایسے عہدیدار کے خلاف پاتے ہیں جس سے ان کو نفرت ہو وہ فوراً اس تک پہنچتے ہیں اور اس کے ساتھ تعلق بنا لیتے ہیں اور وہ شخص جو اس ابتلاء میں پڑتا ہے اس بیچارے کو اتنی سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ یہ محسوس کرے کہ میں پہلے بھی تو اسی جگہ بس رہا تھا پہلے کیوں نہیں میرے لئے اس کے دل میں محبت پیدا ہوئی، کیوں اس نے تعلق نہیں باندھا۔ اچانک میں اتنا محبوب کیوں ہو گیا میری کون سی خوبی اس نے دیکھی ہے سوائے اس کہ کوئی خوبی نہیں ہوتی کہ وہ اس شخص سے ناراض ہو جاتا ہے جس سے وہ ناراض ہے اور اس طرح دونوں کو ایک قدر مشترک مل جاتی ہے یعنی امیر کی ناقدری ان کی قدر مشترک ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو خاص طور پر جن کے دل میں کسی پہلو سے نظام جماعت سے یا نظام جماعت کے کسی عہدیدار سے شکوہ پیدا ہو۔ ان کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ اس شکوے کے بعد جو لوگ

ان کو زیادہ مسکرا کر ملتے ہیں، ان کی آنکھوں میں وہ ایک محبت کے آثار دیکھتے ہیں، وہ شیطان ہیں ان سے ان کو بچنا چاہئے وہی جراثیم ہیں جو ان پر حملہ کرنے کے لئے آرہے ہیں اگر وہ ان کو اپنا سمجھیں گے تو ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس وقت ان کو بیدار مغزی سے سوچنا چاہئے کہ یہ لوگ پہلے کہاں رہتے تھے۔ کیا صرف اسی لئے میں ان کا محبوب ہو گیا ہوں کہ میں نظام جماعت سے بدظن ہو رہا ہوں۔ دوسرے ایسے لوگ ہیں وہ بھی ایک شرک کے نتیجے میں رخنہ پیدا ہوتا ہے جو بعض دفعہ ٹولیاں بنا کر اپنے آپ کو طاقت ور سمجھنے لگ جاتے ہیں دو چار اونچی باتیں کرنے والے لوگ یا مضبوط جسم کے لوگ اکٹھے ہو گئے اور ایک جگہ اٹھنا بیٹھنا شروع ہو گئے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اب ایک مضبوط ٹولہ ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ ہمیں نیچا دکھا سکے۔ ان میں سے کوئی ایک جرم کرتا ہے کوئی ایک شرارت کرتا ہے جس کو نظام پکڑتا ہے تو وہ پھر دوڑتا ہے اپنے ٹولے کی طرف اور اس ٹولے میں سہارا ڈھونڈتا ہے یعنی ایک خدا کو مان کر چھوٹے چھوٹے بت بنا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری طاقت کا انحصار اس ٹولے پر ہے۔ حالانکہ سچا مومن اور سچا مسلمان وہ ہے جس کی طاقت کا انحصار کلیۃً خدا تعالیٰ کی ذات پر ہے اس کی طاقت کا انحصار اطاعت میں ہے، بغاوت میں نہیں ہے۔ جو شخص بھی اطاعت سے نکلتا ہے وہ اسلام سے باہر چلا جاتا ہے اور جو اسلام سے باہر چلا جائے اس کے لئے ایمان کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ نہ دنیا رہتی ہے نہ دین رہتا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس سلسلے میں جو نصیحت فرمائی وہ میں آپ کے سامنے رکھ کہ اب اس خطبے کو ختم کرتا ہوں۔ یہ ''مسلم'' کی روایت ہے۔

عن عبد الله بن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من خلع يدا من طاعة لقى الله يوم القيامة لا حجة له ومن مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية. (مسلم کتاب الامارہ حدیث نمبر: ۳۴۴۱)

کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اطاعت سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔ قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی کوئی دلیل نہیں ہوگی کوئی وجہ نہیں ہوگی کہ وہ بخشا جائے۔

پس اسلام چاہے عجائز کا ہو، چاہے صاحب عرفان لوگوں کا اسلام ہو اطاعت کے بغیر اسلام ہے ہی کوئی چیز نہیں اور اگر آپ اطاعت کی حد سے باہر نکل جاتے ہیں اور کچھ ٹولے آپ کی مدد کرتے ہیں اور آپ کو انگیخت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے شک تم بغاوت کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں تو یہ سارے شیطان ہیں۔ وہ خود بھی ہلاک ہوئے اور آپ کو بھی ہلاک کرنے والے ہیں ان کو پہچانیں۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیں روشنی بخشی ہے آپؐ نے ہمیں ایسے لوگوں کی پہچان کے ذریعے عطا کر دئے ہیں بڑی کھلی کھلی نشانیاں ہیں کوئی وجہ نہیں کہ ہم دیکھ نہ سکیں۔ پھر فرمایا: اور جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی بیعت کا جوا نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرنے والا ہے۔

پس ایسے لوگ بالآخر جب ان کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ باز نہیں آتے تو ان کی بیعت فسخ کر دی جاتی ہے کہ بالآخر یہ ان کا انجام ہوتا ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ پہلے وہ موت کے لئے تیار ہوتے ہیں لیکن بعض لوگ شدید بے چین ہو جاتے ہیں روتے ہیں، گریہ وزاری کرتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں، خط لکھتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہوا ہم اپنے پہلے غرور اور تکبر سے توبہ کرتے ہیں۔ ہم نظام جماعت کے سامنے سر جھکانے کے لئے تیار ہیں۔ ہمیں جلد دوبارہ بیعت میں لیں ورنہ ہم جاہلیت کی موت مر جائیں گے۔ وہ سچے مومن ہیں جن کے دل میں ایمان کی قدر ہے جو اسلام کے معنی جانتے ہیں۔ پس ایسے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ چند دنیا کے بہت باتیں کرنے والے ساتھی یا بظاہر جسمانی لحاظ سے مضبوط ساتھی ان کو قیامت کے دن بچالیں گے۔ اگر وہ اپنی نافرمانی کے نتیجے میں اور بغاوت کے نتیجے میں اسلام کا جوا اتار پھینکیں گے۔ اگر ان کو بیعت سے باہر نکالا جائے گا تو اصدق الصادقین، دنیا کے سب سے سچے رسولؐ نے ہمیں خبر دی ہے کہ قیامت کے دن ان کے پاس خدا کے لئے کوئی حجت نہیں ہوگی۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہوگی جسے وہ پیش کر کے اس کی بخشش کے طلب گار ہوں۔

اللہ تعالیٰ تمام جماعت کو حقیقی معنوں میں ایمان اور حقیقی معنوں میں اسلام عطا کرے۔ ایسا ایمان عطا فرمائے جو بڑھنے والا اور روشن تر ہونے والا اور وسیع تر ہونے والا ہو، ایسا اسلام عطا فرمائے جو دن بدن بڑھنے والا اور زیادہ عارفانہ ہو جانے والا اسلام ہو اور دن بدن زیادہ قوی ہوتا چلا جائے یہاں تک کہ ہم سب پر ایسی حالت میں موت آئے کہ ہم نیک لوگوں کے ساتھ مرنے والے ہوں، بدوں کے ساتھ مرنے والے نہ ہوں۔ آمین۔